

نشانِ راہ

آزاد ہندوستان میں مسلمانوں کے مسائل و مشکلات کی
بحرہٴ آرا اور ان کے روشن مستقبل کے لئے راہِ عمل

— (از) —

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام
لکھنؤ

بجملہ حقوق محفوظ

پانچواں ایڈیشن
۱۲۰۰ھ ————— ۱۹۸۰ء

نام کتاب	نشان راہ
نام مصنف	مولانا ابوسعید علی ندوی
کتابت	(قاری) علامہ عظیم — لکھنؤ
طباعت	نامی پریس لکھنؤ
صفحات	۳۲
قیمت	

— پینہ پاد —

محمد غیاث الدین ندوی

— بیگز طابع و ناشر پینہ —

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام، پوسٹ بکس نمبر ۱۱۹ — لکھنؤ

(دارالعلوم ندوۃ العلماء)

عنوانات

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر
۱۸	اسلامی دعوت کی ائمہ و نئی طاقت	۱۳	۴	۱- پیش لفظ از مولانا محمد منظور فتحانی
۱۸	یہ طاقت آج بھی مجھ سے بڑی دکھا سکتی ہے	۱۳	۵	۲- ماضی کا جائزہ
		۱۵	۱۰	۳- نیا دور اور اس کے خطرناک پہلو
۱۹	اس طاقت سے کام لینے کے چند طریقے	۱۵	۱۱	۴- ایک تاریخی حقیقت
		۱۶	۱۱	۵- چند اور حقائق
۲۱	حالات و حوادث کے تازیانے	۱۶	۱۲	۶- موجودہ نسل کے دینی حاستہ کی کمزوری
۲۲	عام مسلمانوں کا جمود اور دینی زندگی سے بُعد	۱۷	۱۲	۷- محض ایک سیاسی حریت کی حیثیت
		۱۸	۱۳	۸- بے دلی و ناامیدی
۲۳	دینی زندگی کے احیاء کا فطری اور عملی راستہ	۱۸	۱۳	۹- حالات کا روشن پہلو
		۱۹	۱۲	۱۰- دبیز پریشے چاک ہوئے
۲۴	آزاد اسلامی درس گاہوں کی ضرورت	۱۹	۱۴	۱۱- زندگی کی ضمانت
		۲۰	۱۵	۱۲- اسلامی دعوت کے لئے آج
۲۵	حتمی طور پر آخر	۲۰	۱۵	بھی زمین ہمارے ہے

پیش لفظ

(از مولانا محمد منظور صاحب نعمانی مدیر "الفنون"، لکھنؤ)

کتاب کی تقسیم کو صرف ایک سال گزرا تھا، لیکن دیکھنے والوں نے اس ایک سال ہی کے حالات اور تغیرات بھی جلد نظر آن کی اُسٹ مسئلہ کے تحت میں بہت دور تک مشکلات مسائل کی تصویر دیکھنی تھی اور اچھی طرح پڑھ لیا تھا کہ ملک کے مستقبل کا نقشہ تیار ہوگا اور اس نقشہ میں مسلمانوں کو اسلام کے ساتھ اپنی جگہ بنانے اور اپنی آئندہ نسلوں کی دیکھا آئی کو برقرار رکھنے کے لئے کن خطوط پر کام کرنا پڑے گا۔ فریق محترم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے اس سلسلے میں صاحب نظر افراد میں تھے، انھوں نے آزادی کے آس پاس ہی مسلمانوں کے اسے والے حالات کا بڑی چھیننی کے ساتھ حواس کیا اور وہ نئی نئی سے مشورہ کر کے اگست ۱۹۲۸ء مطابق سوال ۱۹۲۸ء میں ہندوستان کے مختلف مقامات خیالی کے دو مستند ہندوؤں کے ایک اجتماع کی قرارداد کی جو ۲۶ اگست ۱۹۲۸ء مطابق ۲۰ سوال ۱۹۲۸ء کو لکھنؤ میں منعقد ہوا۔ اس اجتماع میں مولانا نے اپنے خیالات اور اپنی تجاویز کو ایک مقالہ کی شکل میں پیش کیا جو نشانہ "کے عنوان سے اس عہد کے "الفرقان" میں شائع بھی ہوا تھا۔

آج بارہ سال کے بعد جب کہ ۱۹۴۰ء کا مستقبل حال بن چکا ہے اس مقالہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بارہ سال پہلے ہی اس حال کی بڑی سچی تصویر مقالہ نگار کے مومے قلم نے تیار کر دی تھی اور راہ عمل کی نشان دہی بھی قریب قریب اس طرح کر دی تھی جس طرح تصورات و خیالات کی نہیں بلکہ حالات کی دنیا میں لگی جانی چاہئے تھی۔

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام نے بہت خوب کیا کہ اس کارآمد مقالہ کو از سر نو شائع کرنے کا فیصلہ کیا جو مختلف مقامات پر شکل چیز الفاظ کے تغیر سے ٹھیک اسی وقت کی آواز معلوم ہوتی ہے اور ہر جگہ حالات میں پوری طرح رہنمائی حاصل کرنے کے قابل ہے۔

محمد منظور نعمانی
پچھری روڈ - لکھنؤ

۲۵ مئی ۱۹۶۱ء



حضرات! اس سے پہلے کہ ہم موجودہ حالات کا جائزہ لیں اور کوئی راہ عمل متعین کریں، ہم کو اپنے ماضی قریب کا مختصر جائزہ لینا چاہیے، تاکہ ہم کو اس وقت کے مسائل و مشکلات کا صحیح اندازہ ہو اور ہم اس کی روشنی میں صحیح راستہ متعین کر سکیں۔

ماضی کا جائزہ | تیرھویں صدی ہجری (ایسویں صدی عیسوی کی ابتدا) ہندوستان کی اسلامی تاریخ میں دو فصلوں کے سماعل کا زمانہ ہے۔ ہندوستان میں مختلف روحانی طاقتیں اور سیاسی و عقلی عوامل صدیوں سے جن مقابل رجحانات، طبائع اور صلاحیتوں کی پرورش کر رہے تھے وہ تکمیل کو پہنچ گئی تھیں اور اب ان کے درمیان ریشمی اور زور آزمائی تھی۔ ایک طرف قدیم اسلامی زندگی کے ترکہ اور دین کے داعیوں اور خادموں کی جاں فشانیوں کے نتیجے میں امت میں مجموعی حیثیت سے ایمان موجود تھا اور تمام انقلابات کے باوجود عقائد کی بنیادیں محفوظ تھیں، ایمان و ثواب اور آخرت کا یقین اب بھی ایسی قوت محرکہ تھی جو امت کی دلدل میں پھنسی ہوئی گاڑی کے پتہ کو ہر وقت گھما سکتی تھی، معاصی اور بے دینی پر فخر کا رواج شروع نہیں ہوا تھا، عمل کو تاہمیاں فسق کے درجہ تک پہنچی ہوئی تھیں، لیکن آنکھوں میں ابھی جیبا باقی تھی، قومی ذلتوں کے باوجود

دین کی عزت و عظمت دل میں ایسی بسی ہوئی اور گھٹی میں اس طرح پڑی ہوئی تھی کہ
 ”کافر فرنگی“ اپنے بڑھتے ہوئے اقتدار اور سیاسی عظمت کے باوجود سخاوت و دلت
 کے لئے ضرب المثل کی حیثیت رکھتا تھا اور اس کی سیاسی طاقت اور ظاہری آرائش بھی اس کی
 سخاوت پر پردہ ڈالنے کے لئے کافی نہ تھی، قومی خودداری اور احساس برتری بڑی سے بڑی
 طاقت و وجاہت اور دولت کے سامنے بھکنے سے مانع تھا آخرت کی سرخروئی اور
 اور جنت کا شوق طبیعتوں کے لئے اتنی کشش رکھتا تھا کہ ایک دینی نعرہ بڑے بڑے
 ناہر زبان باہہ خوار کو اللہ کے راستہ میں بے خود بنانے کے لئے کافی تھا، دین میں سستی
 تھی، طبیعتوں میں اضمحلال تھا گرد اکھ کے ڈھیر میں آگ دبی ہوئی تھی جو دین میں سخت انداز
 کے شبہ سے بھی بھڑک اٹھتی تھی۔ یہی جذبہ تھا کہ ۱۸۵۷ء میں کار قوسوں میں سور کی جرنی
 کی آمیزش کی افواہ نے سارے ہندوستان میں آگ لگا دی اور قوم کے اس عنصر کو
 سرفروشی پر آمادہ کر دیا جو اپنی ضمیر فروشی اور دینی بے بسی کے لئے مشہور ہے، دین و
 ایمان کی محبت عوام میں اس درجہ میں موجود تھی کہ عیسائی مبلغین جو حکومت کے نمائندہ اور
 مادی ترغیبات اور سیاسی طاقت سے مسلح تھے مسلمانوں کے ادنیٰ اور جاہل طبقہ میں
 بھی کامیاب نہ ہو سکے۔

دوسری طرف عرصے اس درخت کو جو ابھی زمین پر کھڑا تھا گھن کھا رہا تھا،
 مسلمانوں کی قومی سیرت کے محفوظ قلعہ کے اندر بغاوت کے آئنا شروع ہو گئے تھے،
 اٹھارویں صدی کے آخر میں جعفر و صادق و غلام علی جیسے اشخاص پیدا ہو چکے تھے،
 جنہوں نے دنیا کو آخرت پر ہموار اور انگریزوں کی اعانت کو اسلام کی حمایت پر علانیہ
 تڑس دی تھی اور اپنے حقیر و موہوم ذاتی نفع کے لئے بنے بنائے کھیل بگاڑ دیئے۔

اس کشمکش میں حضرت سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید اپنے رفتار کے ساتھ میدان میں آئے انہوں نے دین کے اس بچے کچھے سرمایہ کا جائزہ لیا، جس کی قومیت ان کے سپرد کی گئی تھی، اس سرمایہ کی سب سے بڑی دولت وہ دینی احساس اور حمیت دینی تھی جو ابھی زندہ لیکن روز بروز افسردہ ہو رہی تھی، انہوں نے اس کو متحرک کر کے مسلمانوں کی دینی ہوتی قوتوں کو اس سے ابھارا اور ان کی منتشر صلاحیتوں کی تنظیم کی، اخلاق و صلاحیتوں کا کچھ مال جس نے پڑے پڑے گلے شروع کر دیا تھا سب طرف سے جمع کیا، مردانگی و سپہ گری

نشاط و حمیت، حالی ہمتی و حوصلہ مندی، جفا کشی و مستعدی، ذہانت و طباعی، علمِ بظہر، تصنیف و تالیف، ادب و شاعری میں سے کسی چیز کو حقیر اور اپنے کو اس سے مستغنی نہیں سمجھا۔ بلکہ ان ساری قوتوں کو اللہ کا مال سمجھ کر ان میں ایمان و احساس کی روح پھونک کر دینی دعوت و اصلاح کے کام میں لگایا، انہوں نے ایمان، حصولِ ثواب اور رضائے الٰہی کی طبع اور شوقِ شہادت کی قوت مٹھ کر سے جس سے زیادہ طاقتور متحرک انسانی علم و تاریخ کے تجربہ میں نہیں آیا۔ اُمت کی گاڑی کے ہیتہ کو اس زور سے گردش دی کہ وہ دفعہ اس دلدل سے نکل آئی جس میں وہ کئی صدیوں سے کھنسی ہوئی تھی، اور پھر اپنی قوت روحانی اور قوتِ ارادی سے اس کو ڈھکیلتے ہوئے محاذ پر پہنچایا۔

۱۲۳۶ھ کی ذیقعدہ میں یہ گاڑی بالا کوٹ کی چٹانوں لیکن وصل مسلمانوں کی بیخانی اور نااہلی کے پتھروں سے ٹکرا کر پاش پاش ہو گئی مگر اس کے مسافروں نے حالات کے ساتھ کشمکش جاری رکھی اور جگہ جگہ اپنے مرکز قائم کر لئے۔ صادق پور کی خانقاہ اور ستھانہ کامرگز ان میں خاص امتیاز و شہرت رکھتے ہیں۔

سید صاحب کی تحریک کے اس انجام کے بعد میدان میں کوئی اجتماعی دینی کوشش

باقی نہیں رہ گئی۔ ۱۸۵۷ء میں باقاعدہ انگریزی حکومت قائم ہو گئی۔ یہ ہندوستان کی پچھ سو سال کی اسلامی تاریخ میں اپنی نوعیت کا پہلا تجربہ تھا جس کے لئے مسلمان ذہنی طور پر تیار نہ تھے، مسلمانوں نے تہذیب، نفسی کشاکش اور تہجر کے ساتھ اس حادثہ کا استقبال کیا، جس میں نفرت و خصمہ غالب تھا جو گروہ زیادہ ذکی احسن اور عجلت پسند تھا اس نے اس انقلاب کے سامنے اپنے ذہن و دماغ کی سپرد ڈالی اور انگریزی تعلیم، انگریزی تہذیب کو مسلمانوں کے درد کا دریاں سمجھ کر مسلمانوں کو پوری طاقت کے ساتھ اس کی دعوت دی۔ ان مخلصین نے جو اس وقت دین کے محافظ اور نئے اقتدار کے مخالف تھے اس سیلاب کو روکنے اور انقلاب کا پشتہ باندھنے میں امت کی صلاح سمجھی، اور جب وہ متدرستی طور پر اس طبعی انقلاب کو روکنے میں ناکام ہوئے تو انہوں نے اپنے علیحدہ مرکز اور دین و تہذیب کی حفاظت و دعوت کے لئے بجا بجا قلعے تعمیر کر لئے جو ”عربی مدارس“ کہلاتے ہیں اور انہوں نے دین و تہذیب کے ایک بڑے حصہ کو اور مسلمانوں کے ایک بڑے گروہ کو اتحاد و لادینیت سے بچایا، لیکن مسلمانوں کے سوا عظیم کو مغربی تہذیب و تعلیم کے اثرات سے نہ بچا سکے۔

انگریزوں کے عہد اقتدار میں مسلمانوں کے دینی احساس و محبت کو سب سے بڑا امتحان پیش آیا جو کبھی پیش نہیں آیا تھا، انگریزی اقتدار و حکومت اور مغربی تعلیم و تہذیب کی زد سے سب سے زیادہ مسلمانوں کے عہد دینی پر پڑتی تھی، اب اس کا مقابلہ ایک منظم غیر دینی طاقت سے تھا، پہلے لادینیت، فسق و فجور اور فحش و عریانی زندگی کی بدعات میں شمار ہونے تھے جن کو قانون اخلاق و معاشرت نے ابھی تک سنبھرا نہیں دی تھی اب ان کی حیثیت ”دین الملوک“ کی تھی اور اس کی بقولیت و عمومیت مسلم پہلے احساس

و تحریک انفرادی اعمال تھے اب منظم ادارے اور مستقل تحریکات تھیں، اسی طرح حصول مسکن کے لئے عقیدہ اور ضمیر کی مخالفت اور بہت سی خلافت دین چیرنوں سے چشم پوشی، دنیاوی عروج کے لئے دینی تنزیل اور بعض فرائض و شعائر دین سے دست برداری کا جواز ایک قومی فتوے کی حیثیت اختیار کرتا جا رہا تھا، اس سب کا نتیجہ تھا کہ محسوس و غیر محسوس طریقہ پر مسلمانوں کا حاسد دینی لہری ذکاوت جس روز بروز دکھوتا جا رہا تھا اور ان کا قومی مزاج جو دین کے معاملہ میں بہت نازک واقع ہوا تھا، اب بہت پچک پیدا کرتا جا رہا تھا اور بڑے بڑے اولوالعزم انسانوں کی زبانوں پر تھا کہ

زمانہ باتو نہ سازد تو با زمانہ بساز

اگر ہمارے پاس پیمائش کا کوئی ایسا آلہ ہوتا جس سے دینی حاشہ کی پیمائش ہو سکتی تو حسی طور پر اس حسیہ راہگیر تنزیل کا اندازہ ہوتا جو مسلمانوں کے دینی احساس و حسیت میں ایک صدی کے اندر اندر واقع ہوا ہے۔

دوسری طرف یہ بات بھی قابلِ لحاظ ہے کہ مسلمانوں کی قوت مدافعت اب بھی زندہ تھی، اس نے آسانی کے ساتھ بے دینی کو ختم نہیں ہونے دیا، ایسے لوگ موجود تھے اور عوام میں بااثر تھے جنہوں نے فرنگی کا منہ دیکھنے کی قسم کھائی تھی جو مجبوراً سے ہاتھ ملانے کے بعد اپنا ہاتھ پاک کرتے تھے، جو کسی انگریزی دربار یا کسی جلوسِ دماغِ اڑکے موقع پر غصیت و غصہ میں شہر چھوڑ کر چیلے جایا کرتے تھے، جو انگریزی شان و شوکت اور انگریزوں کے عروج و ترقی کے مظاہر کے دیکھنے کو بے حسیتی اور بے غیرتی سمجھتے تھے، اس کی وجہ سے انگریزی تمدن و تسلیم کو قبول عام حاصل کرنے کے لئے طویل مسافت طے کرنی پڑی اور اس کو اس کے لئے زیادہ وقت صرف کرنا پڑا۔

اسی کے ساتھ مغربی تہذیب و تمدن اور اس کا نظام تعلیم ایک دوسرے ملک کی پیداوار تھی جو یہاں کے مزاج و حالت سے موافقت نہیں رکھتا تھا، اس کے راستے میں کچھ طبعی جہانات بھی حاصل تھے اس لئے بھی اس کو یہاں کے مذاق و مزاج سے زیادہ کشمکش کرنی پڑی۔

مزید برآں انگریزی حکومت کے سامنے کوئی اخلاقی یا مذہبی دعوت نہ تھی اور نہ کوئی تمدنی کا فلسفہ یا نظام تھا، وہ کسی تہذیب کی داعی نہ تھی، اس کے جو کچھ تہذیبی اثرات اس ملک میں پھیلے وہ زیادہ تر اسکے سیاسی اقتدار و بالائتدی کے نتیجے کے طور پر یا خود بعض اہل ملک اور مسلمان اہل دعوت کی دعوت و تبلیغ کے اثر سے تھے جو مسلمانوں کی پستی کا علاج یہی سمجھتے تھے کہ وہ حاکم قوم کی تہذیب و تمدن اختیار کر کے کچھ بلندی حاصل کر لیں، ورنہ وہ دراصل ایک دفتری نظام حکومت تھا جس کو صرف اپنے دفتری نظم و نسق سے دلچسپی تھی، اس کے سامنے نہ تو تاریخ کا کوئی دور تھا جس کا احیاء اس کے نظر ہو نہ مستقبل کے لئے ذہن و تہذیب کا کوئی سانچہ بنانا ان کے مقاصد میں تھا۔

۱۵۔ اگست ۱۹۴۷ء سے ایک دوسرا دور شروع ہوا اور مسلمانوں کے ذہنی

نیا دور اور اس کے خطرناک پہلو

حاضر مذہبی زندگی اور تعلیمی و تہذیبی تصورات کو نئے مسائل اور غیر متوقع حالات کا سامنا کرنا پڑا۔ ملکی حکومت کے قیام کے ساتھ اگرچہ ذمہ دار سیاسی جماعت نے غیر مذہبی حکومت ہونے کا اعلان کیا مگر جو لوگ عوام میں زیادہ اثر رکھتے ہیں، وہ مسلمانوں کے انقلاب کو ایک مجر و سیاسی انقلاب نہیں سمجھتے بلکہ ایک نئی زندگی اور چند تہذیب

کی نشاۃ ثانیہ سے اس کو تعبیر کرتے ہیں اور بر ملا و بے پردہ کہتے ہیں کہ تقسیم کے بعد
اب اس ملک میں صرف ایک ہی تہذیب اور ایک ہی زبان رہے گی، اس میں کسی
دوسری تہذیب اور کسی مشترک زبان کی گنجائش نہیں، وہ اتحاد کے بجائے وحدت
کی دعوت دیتے ہیں جس میں تہذیبی خصائص کی کوئی تفریق نہ ہو۔

ایک تاریخی حقیقت | اس موقع پر یہ تاریخی حقیقت بھی پیش نظر رہنی چاہیے کہ
اس ملک کی زمین اور اس کی تہذیب نے مسلمانوں سے
پہلے بیسوں قوموں کو ان کے قومی خصائص اور دینی شعائر مثلاً اس طرح محرم کر لیا
کہ اب وہ کوئی جداگانہ وجود نہیں، اہل علم جانتے ہیں کہ ”وحدت وجود“ اور ”حدت
ادیان“ کا خیال جو ہندو مذہب اور فلسفہ کی روح ہے ایک ایسے دین کے لئے بہت
بڑا خطرہ ہے جس کی بنیاد رسالت و شریعت پر ہو اور جو اس کا قائل نہ ہو کہ ”سب
مذہب ایک ہیں“ بلکہ اس کا قائل ہو کہ ”حق ایک ہے“۔ ایسا مذہب اور فلسفہ
جو تمام مذاہب کے برحق ہونے کا دعویٰ کرنا ہو کسی دو سکھ مذہب کے جاہل عوام اور
مرساجان مریخ قسم کے لوگوں کو تسخیر کر لینے کی بڑی صلاحیت رکھتا ہے پھر ہندو تہذیب
تعلیم و نظام زندگی سے واسطہ ہے وہ اسی ملک کی پیداوار ہے اس لئے قدر شاہ اس کے
راستہ میں وہ طبعی حجابات حائل نہیں ہیں جو مغربی تہذیب و تعلیم و نظام زندگی کے راستہ
میں حائل تھے۔

چند اور حقائق | اس کے ساتھ چند اور حقائق قابل غور ہیں جنہوں نے خطرہ کہ
اور زیادہ سخت کر دیا ہے ان کا تعلق خود مسلمانوں کی موجودہ
حالت سے ہے۔

موجودہ نسل کے دینی حاستہ کی کمزوری | جو دینی و تہذیبی ترکہ ۱۸۵۶ء کے انقلاب کے معاصرین کو ملا تھا

وہ ۱۸۵۶ء سے ۱۹۵۶ء تک برابر صرف ہوتے رہنے کے بعد اس نسل کو منتقل ہوا ہے اس لئے قدرتا وہ اس مقدار و طاقت و اصلیت میں نہیں ہے جو ہم سے پہلی پشت کو ملا تھا، دینی حاستہ چوٹ کھانے کھانے زخمی ہو چکا ہے قومی مزاج اپنا دینی احساس بہت کچھ کھو چکا ہے اور قوت و ممانعت مسلسل جدوجہد کرتے کرتے ضعیف ہو چکی ہے انگریزی دور حکومت و تہذیب نے مادہ پرستی، جاہ پرستی، ابن الوقتی اور قومی پوائی کے ایسے پائیدار اثرات چھوڑے ہیں جو ہر معرکہ میں دین اور اصول و اخلاق کی خدمت کے کمزور اور اس کے قطعہ میں رخنہ ڈالنے کے لئے کافی ہیں۔

مختص ایک سیاسی حریف کی حیثیت | یہ واقعہ بھی قابلِ ملاحظہ ہے کہ انگریزوں کی سیاست اور مسلمان

سیاسی قائدین کے مخصوص مزاج نے مسلمانوں کو اس ملک میں مختص ایک سیاسی حریف بنا کر چھوڑ دیا جس کے ساتھ گویا نہ کوئی بے غرض و بے لوث دینی دعوت کی نہ انسانیت کے لئے فلاح و نجات کا کوئی پیغام اور نہ سیاسی حقوق و فوائد سے بلند تر مقصد زندگی، پھر انہوں نے اپنی سیاسی دعوت کو کامیاب بنانے کے لئے جذبات کو استعمال کیا کہ مسلمانوں کی طرف سے دماغوں میں کوئی بلند تصور اور دلوں میں ہمدردی کا کوئی جذبہ باقی نہ رہا اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام کی اصلاحی و روحانی دعوت جس کو اس سیاسی معرکہ آزادی سے کوئی تعلق نہیں ہے جو حریف سے انتساب کی وجہ سے نگاہوں میں حریف بن گئی اور اسلامی دعوت کے لئے بڑی حد تک دل کے دروازے بند ہو گئے۔

بے دلی و ناامیدی

دوسری طرف مسلمانوں کے جذبات اور جوش کے سرخا نہ استعمال سے ان کو یہ نقصان پہنچا کہ وہ تھوڑے دنوں میں اپنا ذخیرہ ختم کر کے افسردہ و پژمردہ ہو گئے۔ پڑھے ہوئے دریا کے اتار پر جو کیفیت ہوتی ہے وہ اس طوفانی و بحرانی دور کے خاتمہ پر نظر آتی ہے۔

ہر طرف بے دلی و ناامیدی، شرمندگی اور بے اعتمادی کے آثار نظر آتے ہیں۔ پھر فسادات اور جنگوں نے اور آخر میں سیاسی رہنماؤں کے لڑائیوں کے دلی ٹھکانے اور ان کو اپنے مستقبل کی طرف سے بالکل ناامید کر دیا اور ان میں اپنے دین و تہذیب کی طرف سے ادنیٰ مداخلت اور اصلاحی پروگرام سے کم استقامت کی بھی بہت نہیں رہی۔ ان میں ایک بڑی تعداد ایسے اشخاص کی ہے جو کسی اقیانوس و تشخص اور فرقہ کے ادنیٰ اعتبار سے اس طرح گھبرانے لگے جس طرح سانپ کا ڈسا ہوا رہتی ہے۔ کبھی بھانسا ہے، پھر اسی کا کتری جو قوموں کے حق میں تپ و دن کی خاصیت رکھتا ہے اور جو ۱۸۵۷ء کے کچھ عرصہ کے بعد پیدا ہوا تھا، اسے ۱۹۴۷ء کے فوراً بعد پیدا ہو گیا جو قوم ایمان و یقین کی طاقت بہت کچھ ٹھکر چکی جس کی رگ و پے میں خوف و دہشت سرایت کر گئی جو اعداد کی طاقت پر ایمان لاتی تھی اور جس کے نزدیک ایمانی طاقت اور شہی نصرت کے سچے زہد کی میں صرف ریاضی کے جامد اصولوں کی فرمانروائی ہے اور جو اسلامی دعوت کی اسٹیج پر طاقت سے بے خبر ہے جس نے مسلمانوں کے فلاح و تائیدوں کو اسلام کا مفہوم بنا دیا اس قوم کی ناامیدی و بے دلی موجب حیرت نہیں۔

حالات کار و نال کار

حضرات! ہم نے ماضی اور حال کا جو مسح اور واقعی نقشہ پیش کیا ہے اس کو دیکھ کر کچھ عجیب نہیں کہ ایسی ہی

ایک لہر ہمارے دلوں میں دوڑ جائے اور ہم کو مستقل میں بھی اندھیرا اور مسلمانوں کے وجود ملی کے لئے سخت خطرات نظر آئیں۔ لوگوں کی زبانوں پر حصہ سے اندکس اور بچارا سمقرقہ کے نام بھی آنے لگے ہیں لیکن اس کے ساتھ ہی واقعات کا ایک ایسا درخشاں پہلو ہے اور مستقل میں کچھ ایسی روشنیاں نظر آتی ہیں کہ ہمارا دل نئی زندگی اور دلخشاں تازہ روشنی سے معمور ہو جاتا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس ملک میں اسلام کے منہ کے بجائے اس کی زندگی کے ایک نئے دور کے آغاز کے آثار ہیں، اس موقع پر بے اختیار ہماری زبان پر قرآنی الفاظ آتے ہیں کہ:

وَعَسَىٰ أَن تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ (البقرہ ۲۱۷)

اور شاید تم کو بری لگے ایک چیز اور وہ بہتر ہو تم کو۔

ابھی تک امت کی داعیانہ حیثیت پر ایسے تہ بہ تہ درجہ پروردے چاک ہوئے

حجرات پڑے ہوئے تھے جن کا اٹھنا بہت مشکل نظر آتا تھا، اس حیثیت کو اس کی نظر سے اور جھل کرنے والی اور اس کو اپنے راستے سے ہٹانے والی اتنی چیزیں تھیں کہ صدیوں یہ پردہ چاک نہ ہو سکتا۔ سیاسی اقتدار، منصبیوں اور عہدوں کی کشش، اس ملک کے دفتری نظم و نسق میں اپنے حصہ بردی کے حصول کی کشش یہ وہ طاقتور تغیرات اور دلفریب مقاصد تھے جن کے سامنے کوئی تبلیغ و دعوت یا استدلال کا درگزر نہیں ہوتا تھا، لیکن اللہ تبارک تعالیٰ کی حکمت بالغہ کے ایک اشارہ نے دفعتاً یہ پردہ چاک کر دیا اور مسلمانوں کو حالات نے اچانک ایک ایسے مقام پر لاکھڑا کر دیا جہاں دین کے سوا کوئی روشنی ایمان و توکل کے سوا جینے کا کوئی سہارا اور اسلامی دعوت کے سوا پناہ کی کوئی جگہ نظر نہیں آتی، یہ وہ نادر موقع ہے کہ

مسلمان اپنی زندگی پر نظر ثانی کریں اور اپنی غلط اور کم درج حیثیت کو ختم کر کے صحیح اور طاقوت پر حیثیت اختیار کر لیں اور یوں سمجھیں کہ آج سے ہندوستان میں ان کی اپنی زندگی کا آغاز ہونا ہے ان کی حیثیت اب اس ملک میں ایک سیاسی حریت یا معاشی ترقیب کی نہیں ہے جس کو اپنی لہماؤ اور حیثیت کے لحاظ سے خدمت و ماتحتی کے کچھ مواقع ملنے چاہئیں بلکہ ان کی حیثیت ایک بے لہذا داعی کی ہے جو اپنے فوائد و لذائذ کے حصول کے لئے نہیں بلکہ نسل آدم کے مفاد کے لئے آیا ہے۔

خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلْعَالَمِينَ (ال عمران - ۱۱۰)

بہتر سب امتوں سے، جو پیدا ہوئے ہیں لوگوں میں۔

جو تمام قومی و ملکی تعصبات اور ذاتی و نسلی اعتراض سے بالاتر ہو کر انسانوں کو زندگی کے اندھیروں سے نکال کر وحی و نبوت کے اُجالے میں، انسانوں کو انسانوں کی بندگی سے نکال کر اللہ کی بندگی میں مذاہب اور خود ساختہ نظاموں کی ناصانیوں اور ناہمواریوں سے نکال کر دین و حق کے عدل و انصاف میں داخل کرنے کے لئے آیا ہے، وہ مادیت، خود غرضی اور نفس پروری کی کانتوں بھری راہ بلکہ انگاروں بھری چٹنا سے اٹھا کر صحیح روحانیت و اخلاق سے غرضی و ایثار اور خدا پرستی کی اس جنت میں داخل کرنے کے لئے آیا ہے۔ جس میں کوئی 'ظلم اور کوئی کھٹکا نہیں' وہ اس محدود دنیا اور اس کی محدود زندگی کی چند روزہ نگ و دو، اس کی ناقص ترقیات، اس کی پست حوصلہ مند یوں بلند ہونے اور عالم مادی کے اس تاریک قید خانہ سے نکل کر جس کی پوری وسعت بھی تنہا ایک انسان کی آرزو اور پرواز کے لئے کافی نہیں، ان لامتناہی فضلوں اور روح و قلب کی ان وسعتوں میں داخل ہونے کی دعوت دیتا ہے جس میں انسان کو بے تکلف پرواز کرنے،

اس کے جوہر انسانیت کو چلنے، اس کی دبی ہوئی قوتوں اور صلاحیتوں کو پوری طرح بھرنے اور فانی انسان کو غیر فانی بننے کا بڑا موقع ملتا ہے۔ اس کا پیغام ہے:-

فَعَلُوا إِلَىٰ سَعِيَةٍ سَوَاءٍ مِّمَّنَّا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ
 إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا
 بَعْضًا أَرْبَابًا يَدُونِ اللَّهِ ۗ (ال عمران - ۶۴)

اُو ایک سیدھی بات پر جاوے تو ہارے درمیان کی اگر بندگی نہ کریں گوارا شکر کو
 اور شریک نہ ٹھہرائیں اس کی کوئی چیز اور نہ پکڑیں آپس میں ایک ایک کو سب سے الگ کر کے۔

یہی تمنا وہ پیغام ہے جس سے ایک ہی لاک کی نہیں بلکہ سارے عالم کی شب تائیک سحر ہو سکتی ہے۔

عالم کی عشا ہو جس سے اشراق
 مومن کی اذان عدائے آفاقی

اور ایک مرتبہ اسی نہ اذان سحر سے اس عالم کی قسمت جاگی تھی اور اب بھی اسکے
 بغیر جان کہیں کچھ روشنی نظر آتی ہے وہ ”گر چاندنی“ ہے صبح صادق صادق نہیں۔

یہ دعوت اللہ تعالیٰ کی وہ محبوب دعوت ہے جس کی خاطر
 اس نے اپنے قوانین قدرت میں نشیتر کر دیا ہے، اشیاء سے

ان کے خواص سلب کر لئے ہیں اور کبھی ان کی فطرت کے خلاف خواص بخش دیے ہیں آگ کے
 گلزار اور سمندروں کو پاب کر دیا ہے۔ پہاڑ اس کے راستے میں آئے ہیں تو ان کو کمرنگوں
 بنا دیا ہے۔ سمندر اور بہتے ہوئے دریا راستہ میں پڑ گئے تو ان کو راستہ دینا پڑا ہے۔
 تیروان کی تار تار شاہد ہے کہ آزد ہوں اور خوشخوار ہوں نہ ہوں سے اس کے کام میں کاوش
 محسوس ہوتی ہے تو ان کو جھگڑ چھوڑ کر چلا جانا پڑا ہے، یہ دعوت قوموں اور جماعتوں کے

حق میں آپ حیات ہے جس نے اس کا کوئی جرمہ پی لیا اس پر موت حرام ہے، اگر مسلمان اس دعوت کے علمبردار ہیں اور انہوں نے اپنے وجود کو اس دعوت کے وجود میں اس طرح گم کر دیا کہ ان کی زندگی اس دعوت کی زندگی کے مرادف ہوگی تو خدا ان کے لئے مجال اور بقا ان کے لئے مقدر ہے

مٹ نہیں سکتا کبھی مرد مسلمان کہ ہے
اس کی اذافوں سے فاش بزرگم خلیل

اس پیغام کی صداقت و بلندی اور اس کی قوت نیز
ہر قسم کے موانع و مشکلات، ہر طرح کی مخالفتوں،
دشمنوں، شکایتوں اور فحشاء فہمیوں پر غالب ہے

اسلامی دعوت کے لئے
آج بھی زمین ہموار ہے

اس کے راستہ میں نہ پہاڑ حائل ہیں نہ دریا نہ وطنیت و قومیت کی آہنی دیواریں، نہ طبقات کا تفاوت، نہ رنگ و نسب کا اختلاف، اس سے ہر زمانہ میں معجزات کا ظہور ہوتا رہا ہے اور کعبہ کو صنم خانہ سے پامال ملتے رہے ہیں، اس وقت جہاں اس کے راستہ میں مسلمانوں کی غلطیوں اور ناواقفیت اندیشیوں سے تعصبات کی بڑی بڑی دیواریں کھڑی ہو گئی ہیں وہاں قدرت الہی نے اس کا راستہ صاف کرنے میں بھی کمی نہیں کی ہے انسانی نظاموں اور فلسفوں کی پے در پے ناکامی زندگی کی گرہ کو سلجھانے کی ہنری کوشش کے بعد اس کی صد ہائی اچھٹیں، آزادی و حکومت خود اختیاری کی سب سے بڑی متناہی پوری ہو جانے کے بعد اہل ملک کی اصلی آسائشوں اور راحتوں سے محرومی علم و اخلاق اور دولت و انسانیت کا افسوسناک عدم توازن، اہل اختیار کا عدم احساس، امانت و ذمہ داری عوام و خواص، تاجر و ملازمین کی بڑھی ہوئی دولت کی بھوس اور معاشی جوہر بہتر

جس نے لاکھوں رشوت ہتھیائی، چور بازاری اور نفع اندوزی کی مصیبتوں میں مبتلا کر دیا ہے اور جس کے انسداد کی کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوتی، یہ سب روزمرہ کی وہ حقیقتیں اور مشاہدات ہیں جنہوں نے ثابت کر دیا ہے کہ اس زندگی کی چول اپنی جگہ سے ہٹا ہونی ہے کہ اس کو ہزار بار کھسکانے اور اس میں الٹ پھیر کرتے رہنے سے بھی کام نہیں چلتا، اس میں کوئی ایسی چیز کم ہے جس کی کمی دوسری چیز کے مضافاً سے پوری نہیں ہوتی، وہ ہے اللہ پر ایمان اور اس کا جلوت و خلوت میں خوف، آخرت کے یقین اور باز پرس کا کھٹکا اور پیغمبر معصوم صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل پیروی اور زندگی کے تمام مسائل و معاملات میں اس کا اتباع یعنی مختصر "اسلام"۔

اس پیغام کا ہر حتمہ دو چیزیں ہیں
قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ

اسلامی دعوت کی اندونی طاقت

علیہ وسلم کی سیرت، ان دونوں میں وہ مومنی ہے جو دشمن کو دوست اور پتھر کو موم کر دے، وہ اندر اندر اپنا راستہ اس طرح پیدا کرتے ہیں کہ کسی کو خبر بھی نہیں ہوتی، دلوں کو گھلا کر اور محبت کو پگھلا کر اپنی جگہ پیدا کر لیتے ہیں اور پھر جسم کے ریشہ ریشہ میں اس طرح سما جاتے ہیں کہ:

شاخ گل میں جس طرح بادِ سحر گاہی کاغذ

صرف دو چیزوں کی ضرورت ہے، ایک تو یہ
کہ ان کو اس طرح پیش کیا جائے کہ ہر انسان
ان کو اپنی چیز اور اپنے درد کی دو سمجھے دوسرے

یہ طاقت آج بھی معجزے
دکھا سکتی ہے

یہ کہ ان کو مسلمانوں کی غلطیوں اور خفاہشوں سے الگ کر کے پیش کیا جائے اور اپنی کوتاہیوں

اعتراف میں قدم برابر بھی تامل نہ کیا جائے اگر محبت و حکمت کے ساتھ یہ دو چیزیں پیش ہوں تو آج بھی یہ پہاڑوں کو اپنی جگہ سے ہٹانے اور دریاؤں کا رخ بدلنے کی طاقت رکھتی ہیں

اس طاقت سے کام لینے کے چند طریقے

اس سلسلہ کا ایک کام تو یہ ہے کہ ان دو چیزوں کو مؤثر دلی آویز طریقہ پر پیش کرنے کے وہ سب معقول و مفید ذرائع اختیار کئے جائیں

جو ممکن ہوں، مخلوط مجموعوں میں حکیمانہ طرز پر خطاب اور روزمرہ کی حقیقتوں، مشاہدوں اور زندگی کی بے نظمیوں سے ایمان اور پیغمبروں کی رہنمائی کی ضرورت کا احساس دلایا جائے۔ قرآن مجید کے اثر آفرین انتخابات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے پر اثر واقعات پیش کئے جائیں، اگر مقرر حالات و نفسیات سے واقف ہے اور اس کے بیان اور قرآن و سیرت کی تفہیم و تلمیح پر قادر ہے تو یہ کوشش بہت کامیاب ہو سکتی ہے۔

دوسری ضرورت اس کی ہے کہ اس موضوع پر ہندی اور انگریزی میں آسان گویا طور ادبی زبان اور دلی نصیحتیں اور مؤثر پیرایہ بیان میں چھوٹی اور متوسط کتابیں لکھی جائیں جو جذبہ نظر طریقہ پر شائع کی جائیں اور ان کے موضوع و مضامین میں اتنا تنوع اور شش ہو کہ وہ اپنی طرف متوجہ کر سکیں اور ذوق پر بار نہ ہوں، ان کی قیمتیں ممکن حد تک کم ہوں، ان کی اشاعت اتنے بڑے پیمانے پر ہو کہ کوئی دارالطالعہ، ریلوے بک اسٹال اور کتب فروش کی دوکان ان سے خالی نہ ہو، پھر اس کے علاوہ سخی طور پر بھی غیر مسلم دوستوں، افسروں اور ماتحتوں اور محلہ داروں کو پیش کی جائیں اور ان کے مطالعہ کی ترغیب دی جائے۔ تیسری ضرورت اس کی ہے کہ ہندی اور انگریزی میں کچھ اچھے لکھنے والے ہوں

جو ہندی اور انگریزی کے رسالوں میں اسلامی موضوعات پر وقتاً فوقتاً نوٹس اور قبیح مضامین لکھتے رہیں، خالص غیر مسلموں کے حلقہ میں کسی ہندی یا انگریزی دعوتی رسالہ کے اجراء کے مقابلہ میں بھی یہ طریقہ زیادہ مؤثر اور آسان ہے لیکن اس کے باوجود بھی چند مستقل ہندی اور انگریزی کے رسالوں کے اجراء کی ضرورت ہے۔

ظاہر ہے کہ اشاعت کا یہ کام سرمایہ اور وقت کا طالب ہے، لیکن اس میں کس کو کلام ہوگا کہ مسلمان کے مال، اوقاف اور قوت کا اس سے ہتھ اور اس سے زیادہ ضروری کوئی مصروف نہیں، اگر مسلمان اہل استطاعت اس میں نکل سے کام لیں اور اپنے مال اور وقت کو اس سے زیادہ عزیز سمجھیں تو سوائے قرآن مجید کی اس تہدید کے اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ

فَتَرْتَبُصُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرٍ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ۝

(التوبة - ۲۴)

توراہ دیکھو، جب تک بھیجے اللہ حکم اپنا اور اشرارہ نہیں دیتا نافرمان

لوگوں کو۔

اور جس وقت سے ڈرایا گیا ہے وہ وقت تو بہت جگہ ہمارے ملک میں آچکا ہے جہاں عمر بھر کی اندوختہ دولت لمحوں میں اٹھی اور ٹھنکی اور وہی دولت جس سے اعلا کلمۃ اللہ میں بخل کیا گیا تھا گلے کی پھانسی بنی ہے بلور:

فَتَكُونُ بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ هَذَا

مَا كُنْتُمْ لَأَنْفُسِكُمْ فذَوْقُوا مَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ۝

پھر انیس گے اس سے ان کے اٹھے اور کروٹیں اور ٹھٹھیں، یہ ہے جو تم

گاڑتے تھے اپنے واسطے اب پھومزہ اپنے گاڑنے کا۔

کا منظر قیامت سے پہلے اللہ تعالیٰ نے دکھا دیا ہے۔ اس لئے یہ بالکل حقیقت ہے قرآن مجید کا اعلان اور تاریخ کی مسلسل و متواتر تصدیق و شہادت ہے کہ اعلاء کلمۃ اللہ کے راستہ میں خرچ کرنا دولت کی بھی حفاظت ہے اور اس سے بخل گھلی ہوئی خودکشی:

وَأَنْفَعُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ
وَاحْسِبُوا أَنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ۝ (سورۃ البقرۃ۔ ۱۹۵)
اور خرچ کرو اللہ کی راہ میں، اور نہ ڈالو اپنی جان کو ہلاکت میں اور نیکی کو
اللہ چاہتا ہے نیکی والوں کو۔

حالات و حوادث کے تازہ پانے | حضرات! موجودہ غیر معمولی حالات اور حوادث جن کو ”اتفاقات“ کے

بے معنی لفظ سے یاد کر کے ان کی اہمیت کو ضائع نہیں کیا جاسکتا، صاف بتلا ہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے اس موجودہ بجاہلی طرز زندگی سے جس میں دعوت کی روح دین کے لئے جدوجہد و ایثار، سختی کی فکر، اور ایمانی زندگی کی کیفیات نہ ہوں، ہرگز راضی نہیں، یہ بھی اس کی خاص رحمت اور اس امت کے ساتھ خصوصیت ہے کہ وہ ان کو اس طرز زندگی پر زیادہ دن تک قائم نہیں رکھنا چاہتا، کسی ایک مفصل کے واقعات یا کسی ایک ہی دن کا اخبار دیکھ کر آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ گویا مسلمان ہر جگہ سمجھوٹے اور جگائے جا رہے ہیں اور مختلف قسم کے اشارات اور خطرے کی علامات ان کی تنبیہ و عبرت کے سامان کہہ رہے ہیں، صاف معلوم ہوتا ہے کہ امت کے لئے ایک زندگی سے دوسری زندگی کو منتقل ہونے کا مرحلہ یا دور راہا سامنے آ گیا ہے اور عالمگیر پیمانہ پر

ان میں تبدیلی و انقلابات کا سامان ہو رہا ہے اور ان کو اپنا منصب و مقام یاد دلایا جا رہا ہے۔ دنیا میں جا بجا خصوصاً ہمارے ملک میں اللہ واقعات کا اثر پڑ رہا ہے اور مسلمانوں میں اپنے مقصد زندگی اور اصل مشغلہ زندگی کی طرف بازگشت کے کچھ آثار ضرور ہیں۔

لیکن اس کے برخلاف عام مسلمانوں کی عام آبادی کا طرز زندگی دنیاوی انہماک اور خود فراموشی سخت تشویش کا باعث ہے، زندگی کا یہ طرز کہ سوائے زندگی کے مادی ضروریات کی تکمیل اور اپنی شکم چیری لود پتھوں کی پرورش یا حصول جاہ و دولت کے زندگی کا کوئی بلکہ مقصد، بہتر مشغلہ اور بڑی فکر نہ ہو، زندگی سرتاپا ایمان و احتساب کی روح سے خالی اور اعلیٰ کلمۃ اللہ کے جذبہ سے عاری ہو اس میں دین کی ترقی تعلق باللہ کے استحکام، دینی واقفیت کی زیادتی اور ایمانی کیفیت کے حصول کی کوئی خواہش نہ ہو، طلب علم و ذکر کا کوئی خانہ نہ ہو، دین کے لئے حسب استطاعت جدہ جہد اور اس کے لئے تفکر سے دن اور راتیں مشغولیت اور فرستیں یکساں محروم ہوں، دینی محبت و الفت اور اسلامی اخوت کے مناظر سے مجلسیں اور اجتماعات ویران ہوں، تعارف و ارتباط اور تعاون عسکری الیہ و التقویٰ کی روح سے جماعت بے بہرہ ہو، دینی دعوت اور اس کے لئے نقل و حرکت اس کے لئے تواضع و خوشامد، اس کے لئے ایثار و جفاکشی سے زندگی خالی ہو، غرض مختصر لفظوں میں جن مقاصد کے لئے مسلمانوں کی بعثت ہوئی ہے اور انکی فصل اول میں جو کیفیات و مناظر نظر آتے ہیں ان کی جھلک ان کی زندگی میں بالکل نظر آئے

یہ وہ طرز زندگی ہے جو ایک اچھے خاصے آزاد اسلامی ملک کو ایس بنا سکتا ہے چہ جائیکہ وہ ملک جہاں مادی زندگی کے دروازے روز بروز بند ہوتے جاتے ہوں اور جہاں صنعتی ایمان و عمل شائع کی زندگی اور دعوت الی اللہ کا انہماک ہی اللہ تبارک تعالیٰ کی بے نیاز بارگاہ میں اس امت کی بہت اور زندگی کی سفارش کر سکتا ہو۔

ظاہر ہے کہ ان مقاصد و خصوصیات کا بنیاد یا ماحول آج اسلامی ملکوں میں بھی موجود نہیں، اور دعوت و حرکت اور طلب علم و ذکر کی یہ زندگی

دینی زندگی کے احیاء کا
فطری اور عملی راستہ

خالص اسلامی آبادیوں میں بھی پائی نہیں جاتی، اس کے لئے ہر جگہ اہتمام اور جدوجہد کرنی ہوگی اسکے لئے کم سے کم ایک ایسا قومی اجتماع اور ایک ایسا عارضی ماحول قائم کرنا ہوگا جس میں مسلمانوں کو شرکت کی عمومی دعوت دی جائے، جس میں شریک ہو کر مسلمان اپنی زندگی کے اصل مقصد اور اپنے عمر کے حقیقی مشغلہ کو معلوم کر سکیں، جس میں اپنی کم شدہ زندگی کا سراغ پاسکیں، جہاں آکر کچھ بے سوز و بے کیف زندگی اور غفلت کے اوقات کی گرد بھار سکیں، جہاں سے آنے والے اوقات اور شمولیت کے لئے نئی توانائی، نئی تازگی اور ایمان و احتساب کی نئی طاقت حاصل کر سکیں جس کی وجہ سے وہ:

رِجَالٌ لَا تُلْهِهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ
وَأَقَامِ الصَّلَاةَ وَآتَاةَ الزَّكَاةَ وَهُمْ يُخَافُونَ يَوْمًا
تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ (النور ۳۷)

وہ مرد کہ نہیں غافل ہوتے سود کرنے میں نہ بیچنے میں اللہ کی یاد سے

اور نماز کھڑی رکھنے سے، اور زکوٰۃ دینے سے، ڈر رکھتے ہیں اسی

ون کا، جس میں اُلٹے جاویں گے دل اور آنکھیں۔

کا مصداق بن سکیں، جہاں سے دین کی ترقی کی فکر اور اس کی ایسی تلاش اپنے ساتھ لے جا سکیں جو ان کو اپنے معاشی انہماک اور دنیاوی کاروبار میں غافل و خود فراموش نہ ہونے دے، جہاں سے ان کے ایمانی جذبہ کو قوت اور غذا ملتی رہے، جہاں سے وہ شعائر اسلامی اور اسلامی تمدن کے خصائص کی اہمیت کو محسوس کرتے رہیں جو ان کو کسی اور سواد میں گم ہونے سے روکے، جہاں ان کو اپنے دینی بھائیوں کے خلوص و محبت اور جذبہ خدمت کا تجربہ ہو اور خود ان کو اپنے ان جذبات کی پرورش اور ان کے اظہار کا موقع مل سکے، جہاں وہ ایثار و جفا کشی کی عادت ڈال سکیں اور ان میں اپنے مالوفات اور عادات سے علیحدہ ہونے کی خواہش اور جہت پیدا ہو سکے، جہاں ان کو خود اپنی صلاحیتوں اور امت مسلمہ کی بخشی ہوئی قوتوں کا احساس ہو سکے۔ جہاں ان کی نگاہ میں آخرت کی زندگی کی قیمت بڑھتی اور دنیا کی زندگی کی قیمت گھٹتی رہے اور اس کے لئے ان میں وہ جذبات زندہ ہوتے رہیں اور اس کے راستے اور طریقے ان کو معلوم ہوتے رہیں۔

حضرات! آج مسلمانوں میں غفلت اور دینی بے حسی کا جو بحر الکامل پھیلا ہوا ہے اس میں آخر توجہ واضطراب پیدا کرنے کا کیا ذریعہ ہے؟ اور اس بڑی مسلمان آبادی کی (جس کو خود کوئی طلب اور احساس نہیں) دینی تربیت کا کیا راستہ ہے، کتابوں اور رسائل کی اشاعت، دینی مدارس کے قیام و تاسیس، انجمنوں، مواعظ و تقاریر سے ان کی آزمودہ و مسلم تاثیر و نفع کے باوجود وہ نتائج، وہ تغیرات، اور

وہ اندرونی کیفیت حاصل نہیں ہوتی جو ایک زندہ روحانی ماحول کی خصوصیت ہے۔ ان تمام اداروں سے جن کا اوپر تذکرہ ہوا، جو دینی یا تریبی نتائج حاصل ہوتے ہیں۔ ان میں نہ اتنا عموم اور پھیلاؤ ہوتا ہے نہ اتنی گہرائی جو ایک دینی زندگی سے (خواہ وہ کتنی محدود و مختصر ہو) حاصل ہوتی ہے پھر اس کے لئے نہ کسی سرمایہ کی ضرورت ہے نہ کسی ادارہ کی، تقریباً ہر شہر و قصبہ میں ابھی ایسے اہل علم و اہل دین موجود ہیں جو ایسے وقتی دینی مرکز و اجتماعات قائم کر سکتے ہیں، ان کے کمالات اور ان کی قوتیں اور ان کا کچھ علم، عوام کی بے حسی اور کچھ لاعلمی اور کچھ ان حضرات کی افسردگی و ناامیدی یا بے تعلقی و غلطی کی وجہ سے ضائع ہو رہا ہے۔ اسی طرح عوام کا جذبہ دینی اور ان کی صلاحیتیں بھی تلف ہو رہی ہیں۔ ان دونوں کو کارآمد اور اس کو اسلام کی ترقی کے لئے قوت کھربائی بنانے کی صورت یہی ہے کہ ان دونوں تاروں کو ملا دیا جائے اور عوام میں دین کی طلب اور تدریس اور خواص میں عوام کی حالت کا درد و ترجم پیدا ہو جائے، اور دونوں طبقے خاص دینی رشتہ اور خدمت دین کے جذبہ سے ایک دوسرے کی اعانت کے لئے ایک جگہ جمع ہو جایا کریں۔

پھر آج بڑے پیمانہ پر ارتداد کے جو خطرے پیدا ہو گئے ہیں اور خطرات سے گزر کر جو واقعات پیش آرہے ہیں۔ اور مسلمانوں کی زندگی کا جو پھیلاؤ ہے اس کے پیش نظر دین کی حفاظت اور دینی زندگی کے اشاعت کی اس کے سوا اور کیا صورت ہے کہ شہروں اور قصبہ کی عام مسلمان آبادی اس ضرورت کی طرف توجہ کرے اور اس کو اپنی اصلاح و تربیت اور دین کی حفاظت کا مشترک کام سمجھے۔ اس

مقصد کے لئے جس وسیع عملہ کی ضرورت ہے ظاہر ہے کہ کوئی مسلمان حکومت بھی اس کا انتظام نہیں کر سکتی، گورنوں کی آبادی میں چند ہزار افراد کو سمیٹ کر تبدیل کر سکتے ہیں، اس کی صورت یہی سمجھ میں آتی ہے کہ ان اجتماعات اور دعوت کو اس ضرورت کی تکمیل کا ذریعہ بنایا جائے۔ مسلمانوں کے ہر طبقے سے اس مقصد کے لئے وقت حاصل کیا جائے، مرکز کی طرف تہینہ کے کچھ دن مقرر ہوں جس میں اس اجتماع کے شرکاء اپنے مشاغل سے وقت نکالیں۔ ان کی جماعتیں شرعی نظام کے ماتحت شہروں، قصبوں اور دیہاتوں کی طرف بھیجی جائیں۔ شہروں میں وہ شہریوں کے مزاج و حالات کے مطابق دین کی دعوت دیں اور وہاں کے مسلمانوں کو اجتماع کرنے، اہل دین کو اس کی سرپرستی کرنے اور پھر ماہوار جماعتیں نکالنے پر آمادہ کریں اور وہاں کے خصوصی اور ملک کی عمومی ذہنی ضرورتوں اور دین کے لئے قریبی خطرات کی طرف متوجہ کریں اور دیہاتوں میں وہاں کی ذہنی سطح اور ضروریات کے تقاضے کے مطابق دین کے مبادی و مہمت کی تلقین کریں اور ان میں ذہنی احساس اور عملی تبدیلی کی دعوت پیش کریں اور ان کو قریب تر مرکز سے تعلق اور وہاں کے اجتماعات میں شرکت کرتے رہنے کی تاکید کریں اور اس مرکز اور وہاں کے ان مضامین میں عملی رابطہ پسند کرنے کی کوشش کریں۔ (۱)

ہم ایک مدت سے اس نظام کا تجربہ کر رہے ہیں اور الحمد للہ روز بروز ہمارا

- (۱) ان دعوتی سفروں کے بعض آئدودہ اصول و ضوابط کی تفصیل کے لئے حسب ذیل رسائل ملاحظہ ہوں،
 ۱، ایک اہم ذہنی دعوت (۲) مسلمانوں کی کمزوری کا قرآنی علاج (۳) مسلمان قوم کی حالت اور
 حاطن دین کا فریضہ (۴) مولانا محمد الیاس اور ان کی ذہنی دعوت۔

اطمینان بڑھتا جا رہا ہے کہ اگر عمومی طور پر یہ نظام جاری ہو جائے۔ شہر شہر اور بڑے بڑے قصبات میں ایسے مرکز قائم ہو جائیں اور ان کی نگرانی اور کسی بڑے مرکز سے جہاں تربیت یافتہ اور تجربہ کار اصول سے واقف لوگ موجود ہوں ان کا ربط قائم ہو جائے اور وہاں سے آمدورفت کا سلسلہ اور ”طالبین علم دوین“ کے ان قافلوں کی نقل و حرکت شروع ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کے فضل پر اعتماد کرتے ہوئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہندوستان میں نہ صرف یہ کہ اسلام کا دینی مستقبل محفوظ ہے بلکہ دینی حیثیت سے یہاں کا حال ماضی سے اور مستقبل حالی سے اصل اسلامی زندگی سے زیادہ قریب اور دینی روح اور اس کے اصلی کیفیات و مضامین سے زیادہ معمور ہوگا۔

حضرات! ان سب کے باوجود ایک صاحب شریعت اور صاحب کتاب امت کی حیثیت سے مسلمانوں کا وجود خالص اسلامی

آزاد اسلامی درسگاہوں کی ضرورت

سلطنت میں بھی دینی تعلیم اور کتاب و سنت سے واقفیت کے بغیر ممکن نہیں پھج جائیکہ ایسے ملک میں جہاں کا نظام تعلیم اور نظام زندگی مطلقاً غیر مذہبی یا کم سے کم غیر اسلامی بنیادوں پر قائم ہو۔ امت کا رشتہ اسلام کی تعلیمات اور عہدت کے مقاصد سے تعلق رکھنے کے لئے اور اس کے عروج زندگی میں صحیح اور توانا خون کے دوران کو جاری رکھنے کے لئے ایسی آزاد اسلامی درسگاہوں کی ضرورت ہے جن سے مسلمان اپنے دینی سرچشموں سے سیراب ہوتے رہیں وہ ان کی دینی نگرانی اور شرعی احتساب کا فرض انجام دیں اور امت کو کسی اجتماعی انحراف اور دینی تحریف سے بچاتے رہیں۔

اسلامی مکاتب اور دینی مدارس کے نہ ہونے سے بڑے پیمانے پر ذہنی اور مذہبی ارتداد کا خطرہ ہے اور اب خالص مشرکانہ نصاب تسلیم کی وجہ سے یہ خطرہ واقعات بن کر سامنے آ گیا ہے۔ انگریزی سلطنت کے قیام کے ساتھ دفتر ہی نظم و نسق میں دخل ہونے کی طبع اور سرکاری عہدوں اور ملازمتوں کی کشش نے خالص دینی اور آزاد درس گاہوں کی زندگی کو متزلزل کر دیا تھا اور مسلمانوں کے ایک بڑے طبقہ کی نگاہ میں ان مدرسوں کا وجود جو سرکاری ملازمتیں دلانے سے قاصر تھے بے سود اور بے معنی ہو کر رہ گیا تھا، اور وہ مسلمانوں کی زندگی میں ایک ناخوشانہ جہان کی حیثیت رکھتے تھے۔ اب نئے حالات و انقلاب سے یہ طے ہو گیا ہے۔ سرکاری نظام تعلیم اور دنیاوی ترقی اور روزگار لازماً ملتزم نہیں رہے اب مسلمانوں کو اس مسئلہ پر دوبارہ غور کرنا ہے، اسی کے ساتھ نئے تغیرات اور سیاسی انقلاب نے آئندہ نسل کی اسلامیت کے راستے میں نئے خطرات پیدا کر دیئے ہیں۔ دنیا کی کوئی قوم کسی ریاست کی سرپرستی اور امداد کے سہارے اپنی تعلیمی ضرورتوں اور مذہبی زندگی کی بقا کا انتظام نہیں کر سکتی، اس کے لئے اس کے ادارہ، فیصلہ اور جدوجہد کی ضرورت ہے، اور اگر اس کی رائے عام اس بارے میں منظم، اس کا فیصلہ اعلیٰ اور اس کا احساس قومی ہے تو کوئی طاقت اس کے راستے میں حائل نہیں ہو سکتی۔ تاریخ ماضی میں اور معاصر قوموں کی زندگی میں بھی اس کی متعدد نظریں ہیں کہ

(۱) تفصیل اور وضاحت کے لئے ملاحظہ ہو، راقم سطور کا خطبہ، صدارت دینی تعلیمی کانفرنس، سٹی، امرتسر، ۳۱ دسمبر ۱۹۵۹ء اور رسالہ ”دینی تعلیمی تحریک“ شائع کردہ ”دینی تعلیمی کونسل امرتسر“ دیکھئے۔

ان قوموں نے حالات کی ناموافقیت اور سرکاری امداد کی غیر موجودگی میں بھی اپنی آزاد تعلیم کا بندوبست کیا اور اپنے مذہب اور اپنی زندگی کے اصل سرچشموں سے اپنا اتصال قائم رکھنے میں وہ کامیاب رہیں۔

لیکن اس کے لئے دو چیزوں کی ضرورت ہے ایک مادی ایثار اور دینی تعلیم سے حقیقی وفاداری اور مخلصانہ تعلق کا عملی اظہار و ثبوت، یعنی اس کے ماسمے میں ضروری معاشی قربانیاں اور خطرات کا تحمل جو بعض اوقات پیش آسکتے ہیں اور جن کا گوارا کرنا ضروری ہوتا ہے، دوسرے زمانہ کے حقیقی تقاضوں کا اعتراف اور اس کے جائز مطالبات کی تکمیل یعنی نظام تعلیم کے سلسلہ میں ضروری آہستہ آہستہ اصلاح و ترقی اور اس کو زیادہ مفید اور موثر اور عملی زندگی اور خارجی دنیا سے اس کو ہم آہنگ بنانے کے لئے بار بار کوشش، اس بارہ میں دین کے اصول و ارکان اور اس کے روح و مزاج کی حفاظت کے معاملہ میں پورے رسوم و عادات اور استقامت کے ساتھ اس کو زیادہ سہل اور قابل عمل اور عام کرنے کے لئے جدت منکر، ذہانت اور وسعت نظر کی ضرورت ہے۔ اس وقت سارے ملک میں ایسی آزاد درس گاہوں اور دینی مکاتب و مدارس کے قیام کی ضرورت ہے جو اللہ تبارک و تعالیٰ کے اعتماد و توکل پر اور صرف مسلمانوں کے دینی احساس و طلب کی بنیاد پر اپنا فریضہ انجام دیں اور زمانہ کی رکاوٹوں اور بے نیازوں سے بالکل بے نیاز ہو کر اپنے کام میں مشغول رہیں، اس کے لئے ہمارے بعض شدید موانع درپیش ہیں ان کے راستے کی بعض رکاوٹیں اور ذہنی حجابات بھی اٹھ گئے ہیں، مسلمانوں کے لئے عہدوں اور ملازمتوں کی وہ فراخی باقی نہیں رہی جو پہلے تھی، سرکاری تعلیم

اصول معاش کے لئے پہلے بھی ایک جو اٹھی حسین میں ہارحیت کا بحساں غرہ تھا، اب ہار کا امکان بہت بڑھ گیا ہے اور جینے کے احتمالات برائے نام رہ گئے ہیں اس لئے اگر عزم مجدد و جد اور فہم سے کام لیا جائے تو دینی تعلیم کا اوسط پہلے سے بہت بڑھ سکتا ہے۔ لیکن اس کے لئے ہر حال ایک ایسی جماعت کی ضرورت ہے جو اس کو اپنی زندگی کا مقصد قرار دے، اور اس میں اپنی جان کی بازی لگا دینے سے سائل نہ کرے۔

حرف آخر حضرات! ان عظیمی امدادوں اور قدرتی انتظامات کے ساتھ جو اسلام کی دعوت کے لئے راستہ صاف کر رہے ہیں اور ایک صاحب دعوت اور صاحب فہم و ایمان جماعت کے مستقبل کو درخشاں سے درخشاں تر بنا رہے ہیں۔ مستقبل سے ہر اس ایماندار کی رحمت سے یاس کی کوئی گنجائش نہیں معلوم ہوتی، پھر جو جس سے اس وقت ہمارے سامنے ہے، اس کو دیکھ کر یہاں اور نہیں آتا کہ جن ملک میں اتنے صاحب فہم و فزاسست اور صاحب حریت مسلمان بھی ہوں، اس سے اسلام مٹ سکتا ہے، جب کبھی ایک مرد خدا نئے مومن کے یقین کے ساتھ کہہ دیا ہے کہ

أَيُّقُصُّ الدِّينَ وَأَنَا حَيٌّ (کیا میری زندگی میں دین میں قطعہ

شوہید ہو سکتی ہے؟)

تو تقدیر اللہ تعالیٰ کے تصور بدل گئے اور اللہ اور کی طرف بڑھتا ہوا اور خدا کی تسبیح و شام اور عالمگیر اجتماع اسلام کی طرف سے لپٹ پڑا ہے، اگر مخلصین کی ایک جماعت ایسی بھی جسے تعلیمیت کے آداب پر نئے نئے کے ساتھ کہہ سکتی ہے کہ کیا ہمارے جینے ہی

ہندوستان سے دین مٹ سکتا ہے، تو یقیناً مانیئے کہ ہرگز نہیں مٹ سکتا ہے، بلکہ اس کی کامیابی، استحکام و اشاعت کے لئے وہ نئی نئی راہیں کھلیں گی جو کسی دہم و گمان میں نہیں۔

فَلَا تَهِنُوا وَتَدْعُوا إِلَى السَّلْمِ ۖ وَأَنْتُمْ الْآعْلُونَ ۖ
 وَاللَّهُ مَعَكُمْ وَلَنْ يَفْزِكَكُمْ أَعْمَالُكُمْ ه (عہدہ ۳۸)
 سو تم ہودے نہ ہوئے جاؤ اور پکارنے لگو صلح اور تم ہی رہو گے اوپر اور
 اللہ تمہارے ساتھ ہے، اور نقصان نہ دے گا تم کو تمہارے کاموں میں۔

مولانا ابوسعید علی ندوی کی نئی تصنیفات

منصب نبوت اور اس کے عالی مقام حاملین

جس میں بنی نوع انسان اور تمدن انسانی پر نبوت کے احسانات
ایسا بے کلام کی امتیازی خصوصیات، نبوت کے پیدا کردہ ذہن و مزاج
اور طریقہ فکر، نبوت کے تیار کردہ انسانی نمونوں، نیز نبوت محمدی کے لگائی
کارناموں اور حق نبوت کی ضرورت و اہمیت اور اس کے دور رس، عمیق
اور انقلاب انگیز اثرات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ قیمت - اردو - ۱۲/-
انگریزی - ۲۵/-

دریائے کابل سے دریائے یرموک تک

مغربی ایشیا کے چھ مسلم ممالک کے ایک مسلماتی و دعوتی دورہ کی
مفصل روداد و ڈائری۔ جس میں ان ممالک کی دینی، فکری، سیاسی
اور اقتصادی صورت حال کی سچی تصویر اور وہاں کی دینی و اصلاحی
تحریکات، متفاد و حوالی و اثرات اور ذہنی و روحانی کشمکش کا

دراستہ دارانہ جائزہ آگیا ہے۔ قیمت ۱۲/-

حسنِ عالم صدیقی علیہ السلام

سیرت پر مولانا کی ایک تازہ اور اہم تقریر۔ قیمت - اردو - ۵/-
انگریزی - ۱۲/-
قادیانیت :- اسلام اور نبوت محمدی کے خلاف ایک بغاوت۔ قیمت - اردو - ۱۲/-
انگریزی - ۱۲/-